تاریخ اسلام میں تحریک تجدد کا ابتدائی عہد

اشتیاق احمد گوندل*

عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں عقائد اور نظریات کے اعتبار سے مسلم معاشرہ فکری طور پر بے حد پختہ تھا۔ سیدھا سیدھا سمعنا واطعنا کا تصور ہی ایمان تھا مگر اگلے ادوار میں مختلف عوامل اور اسباب کی بناء پر مسلم معاشرہ اگرچہ جزوی طور پر ہی سہی فکری انتشار کا شکار ہوا نیز عقل جس کو وحی کے نور کی روشنی میں استعمال کیا جاتا تھا اپنی عیاری دکھانے لگی اور ان معاملات اور دائروں میں بھی دخیل ہوئی جو اس کے بس کا روگ نہ تھے۔ مجموعی طور پر تو کئی سو سالوں سے مسلمان عقل کے مقابلے میں وحی کو ترجیح دیتے چلے آئے ہیں مگر عجمی اقوام کے مسلمان ہونے اور ان کے سابقہ نظریات کے اثرات کے باعث مسلم معاشرے میں عقلیت کی روش پروان چڑھنے لگی جس نے آگے چل کر اجتہاد اور تجدید جیسے اہم فرائض کی آڑ میں انحراف کا راستہ اختیار کیا۔ مجدد اور مجتہد درکار بھی تھے اور لازمی بھی لیکن تجدد اور تجدید کے کام میں جو بنیادی فرق ہے اس کو فراموش کرنے کے باعث مسلمانوں کے ہاں بنیادی افکار کو متزلزل کرنے کی کوشش کی گئی۔ سید مودودیؒ اس صورت حال کا تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"عموماً" لوگ تجدد اور تجدید میں فرق نہیں کرتے اور سادہ لوحی سے ہر متجدد کو مجدد کہنے لگتے ہیں۔ ان کا گمان یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو نیا طریقہ نکالے اور اس کو ذرا زور سے چلا دے وہ مجدد ہوتا ہے، خصوصاً" جو لوگ کسی مسلمان قوم کو برسر انحطاط دیکھ کر اس کو دنیوی حیثیت سے سنبھالنے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنے زمانہ کی برسر عروج جاہلیت سے مصالحت کر کے اسلام اور جاہلیت کا ایک مخلوطہ تیار کر دیتے ہیں یا فقط نام باقی رکھ کر اس قوم کو پورے جاہلیت کے رنگ میں رنگ دیتے ہیں، ان کو مجدد کے خطاب سے نواز دیا جاتا ہے حالانکہ وہ مجدد نہیں

---

* لیکچرار اسلامک سینٹر پنجاب یونیورسٹی

متجدد ہوتے ہیں اور ان کا کام تجدید نہیں تجدد ہوتا ہے۔ تجدید کا کام اس سے بالکل مختلف ہے۔ جاہلیت سے مصالحت کی صورتیں نکالنے کا نام تجدید نہیں ہے اور نہ ہی اسلام اور جاہلیت کا کوئی نیا مرکب بنانا تجدید ہے۔(۱)

اس تناظر میں دیکھا جائے تو آغاز اسلام سے ۲۰ ویں صدی کے اس آخری عشرے تک عقلیت پرستی کے رجحان کے باعث اسلام اور جاہلیت کے مرکبات تیار کیے جاتے رہے ہیں۔ اسلام جو اپنی ذات میں مکمل اور ابدی ضابطہ حیات ہے اس کے نمائندگان بعض اوقات کسی اور غالب تہذیب کے اثرات کے باعث اجتہاد' تجدید اور اصلاح کے کام کی نزاکتوں اور شرائط سے غافل ہو کر طاغوت سے مصالحت کا رویہ اختیار کرتے ہیں۔ اسی رویے کا نام تجدد ہے۔ اب چونکہ عوام الناس اسلام کی تعلیمات میں خاطر خواہ رسوخ نہیں رکھتے لہٰذا وہ تحریف اور انحراف کو بھی تجدید اور اصلاح سمجھ کر قبول کر لیتے ہیں۔ ماضی قریب میں سرسیدؒ اور غلام احمد پرویز کی فکری روش اس کی بین مثالیں ہیں۔ جہاں تک اجتہاد کا تعلق ہے تو بدلتے ہوئے حالات میں نہ صرف ضروری ہے بلکہ فکر اسلامی کی دنیا میں تازہ ہوا کے جھونکوں کی مانند ہے۔ اسی طرح مجدد خدا کی زمین پر خدا کی نشانی اور رحمت ہوتا ہے تاہم تجدید اور مجدد کے کام کی نوعیت کا صحیح ادراک از حد ضروری ہوتا ہے بصورت دیگر مسلم معاشرے کو بیرونی تہذیبوں' طاغوتی افکار اور دین کے نام پر دین میں بگاڑ کی روش سے بچانا مشکل ہو جاتا ہے۔ مولانا مودودی مجدد کی تعریف کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

"دراصل تجدید کا کام یہ ہے کہ اسلام کو جاہلیت کے تمام اجزاء سے چھانٹ کر الگ کیا جائے اور کسی نہ کسی حد تک اس کو اپنی خالص صورت میں پھر سے فروغ دینے کی کوشش کی جائے۔ اس لحاظ سے مجدد جاہلیت کے مقابلہ میں سخت غیر مصالحت پسند آدمی ہوتا ہے اور کسی خفیف سے خفیف جزء میں بھی جاہلیت کی موجودگی کا روادار نہیں ہوتا۔"(۲)

مجدد اور تجدید کے کام میں خالص اسلام کو افکار کی بنیاد بنایا جاتا ہے مگر اس کے برعکس تجدد میں جدت پسندی کا ایسا شوق کارفرما ہوتا ہے جس میں عقل پر انحصار کیا جاتا ہے لیکن عقل ایک خاص حد سے آگے انسانیت کی راہ نما نہیں ہو سکتی اس سلسلے میں مولانا تقی عثمانی لکھتے ہیں۔

"خلاصہ یہ کہ "جدت پسندی" کی رو میں اگر اچھے برے کا فیصلہ خالص عقل پر چھوڑا جائے تو ایک طرف اس سے زندگی کی کوئی قدر سالم نہیں رہتی' اور دوسری طرف چونکہ ہر شخص کی عقل دوسرے سے مختلف ہے اس لیے انسان متضاد آراء اور نظریات کی ایسی بھول بھلیوں میں پھنس جاتا ہے جس سے نکلنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو عقل وحی الٰہی

کی راہنمائی سے آزاد ہو انسان اسے آزاد عقل سمجھتا ہے لیکن درحقیقت وہ اس کی بہیمی خواہشات اور نفسانی اغراض کی غلام بن جاتی ہے جو عقل کی غلامی کی بدترین شکل ہے۔(۳)

انسانی تاریخ میں فلسفہ یونان اور فلسفہ مغرب کے اثرات بلاشبہ بڑے گہرے ہیں مگر عقل کو راہنما قرار دے کر ان دونوں تہذیبوں نے جن فکری مغالطوں اور ذہنی انتشار کو جنم دیا ان سے عالم اسلام بھی کسی دور میں بھی مکمل طور پر محفوظ نہیں رہ سکا۔ چنانچہ مسلمانوں کے ہاں تجدد کی تحریک کمزور یا طاقتور کسی نہ کسی انداز میں موجود رہی ہے لیکن الحمد اللہ مسلمان مجموعی طور پر دیگر اقوام اور مذاہب کی طرح اس تحریک کے لیے نرم چارہ نہیں بن سکے۔ تاریخ اسلام کے ابتدائی عہد میں جس گروہ نے سب سے پہلے تجدد کی روش کو اختیار کیا وہ معتزلہ کہلائے۔

یہ گروہ بڑے ذہین و فطین اور پڑھے لکھے لوگوں پر مشتمل تھا لیکن ان کے نظریات ان کا طریق استدلال اور اس کے نتائج دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ گروہ یونانی علوم سے کافی حد تک مرعوب ہوا اور اسی ذہنی مرعوبیت کے تحت اس نے اسلام کے بعض اساسی تصورات میں تغیر و تبدل کرنا شروع کیا ان کی نیت اگرچہ نیک تھی کہ کسی طرح اسلامی افکار کو یونانی نظریات سے ہم آہنگ کر کے اسلام کی فکری برتری کو قائم رکھا جائے اور اسی طرح ایمان کو متزلزل ہونے سے بچایا جائے لیکن چونکہ اس تغیر و تبدل کا اصل محرک ذہنی مرعوبیت تھی اس لیے معتزلہ نے غیر شعوری طور پر بعض ایسے یونانی افکار کو اپنا لیا جو اسلامی تعلیمات سے کسی طرح مطابقت نہ رکھتے تھے۔(۴)

معتزلہ کے فکری ارتقاء میں یونانی فلسفے کے گہرے اثرات تھے اور ان کی مرعوبیت بھی بنیادی وجہ ہے مگر علامہ شبلیؒ کے خیال میں عقلیت کی اس روش کے بعض آثار عہد نبویؐ میں بھی نظر آتے ہیں۔

اور مذاہب کی طرح اعتزال کے ابتدائی آثار بھی خود آنحضرتؐ اور صحابہؓ کے زمانہ میں موجود تھے۔ صحابہؓ میں اگرچہ بہت سے ایسے تھے جو مذہبی مسائل کے متعلق کچھ غور کرنا نہیں چاہتے تھے یا عقل کو دخل دینا نہیں چاہتے تھے لیکن ایسے بھی تھے جو ہر بات کو عقل کے معیار سے جانچتے یا کم سے کم یہ کہ عقل کو معاملات شرعیہ میں بے کار نہیں خیال کرتے تھے۔ یہی اعتزال کی اصل بنیاد تھی جس پر آگے چل کر بڑی بڑی عمارتیں قائم ہوئیں۔"(۵)

تاہم اعتزال کے افکار اور ان کے فکری پس منظر کا تذکرہ کرنے سے ان کو جدید تحریک تجدد سے مکمل طور پر مماثل ثابت نہیں کیا جا سکتا کیونکہ معتزلہ کی ابتدائی کاوشیں اخلاص پر مبنی تھیں اور وہ اپنے آپ کو معتزلہ کی بجائے اہل التوحید والعدل کہا کرتے تھے۔(۶)

علامہ شبلی بھی معتزلہ کی ابتدائی فکر اور جدوجہد کو ایک خاص درجے میں مفید قرار دیتے ہیں۔ ان کے خیال میں مسلم معاشرے میں ابتدائی طور پر الحادی تحریک اور ملحدوں کا رد بھی معتزلہ نے کیا ہے۔ اس سلسلے میں واصل بن عطا کا کرادر اور طریق استدلال خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ لیکن ابتداء میں معتزلہ کے افکار کے جزوی فوائد کے باوجود آئندہ چل کر معتزلہ کا کردار اور نظریات مسلم معاشرے کے لیے ایک چیلنج بن گئے کیونکہ یہ گروہ اپنے عقائد کی تائید میں عقل پر بھروسہ کرتا تھا حتیٰ کہ عام معاشرے کو بھی عقل کی برتری تسلیم کرنے کی دعوت دی گئی جیسا کہ عبدالحمید صدیقی نے اپنی کتاب ۔ مذہب اور تجدید مذہب میں تذکرہ کیا ہے۔

معتزلہ نے انسانوں سے عقل کی برتری تسلیم کروانے کے لیے صرف اس لیے زور دیا کہ اس سے شریعت میں فیصلہ کن حیثیت رسول کو حاصل ہونے کی بجائے عقل کو حاصل ہو اور اس طرح انہیں وہ سارے تصورات و اعمال شریعت سے خارج کرنے میں آسانی ہو جو ان کے زعم کے مطابق خلاف عقل ہوں۔[۸]

تاریخ اسلام کے ابتدائی عہد میں اور بعد ازاں بھی تحریک تجدد نے انسانی عقل کو اپنا مخاطب قرار دیا ہے لیکن تحریک تجدد کے اس انداز اور منہاج کے باوجود معتزلہ کے گروہ نے بعض خدمات بھی سر انجام دیں جیسا کہ سید امیر علی لکھتے ہیں۔

ارسطو ۔ پور فری Por phyyr اور دوسرے حکمائے یونان واسکندریہ کی تصنیفات سے استفادہ کر کے معتزلہ نے ایک نئے علم کی بنیاد رکھی جس کا نام علم الکلام ہے یعنی عقل کا علم کلام بمعنی نطق یعنی Logos اس لیے اس نئے علم کے حربے سے انہوں نے اسلام کے خارجی دشمنوں کا بھی اور داخلی دشمنوں کا بھی مقالہ کیا۔[۹]

البتہ اس طرح کے بیانات سے معتزلہ کے تجدد کو صحیح قرار دینا تو مشکل امر ہے تاہم بعض شعبوں میں ان کی خدمات کو عدل کے ساتھ تسلیم کیا گیا ہے جیسا کہ سید مودودیؒ کے نزدیک

اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ ان کی ہر بات اعتزال اور ہر ایک رد کر دینے کے لائق تھی تو یہ بڑی زیادتی ہے۔ ان کے شدید ترین مخالف امام رازی تک نے ابو مسلم اصفہانی اور زمخشری جیسے معتزلیوں کی بہت سی باتوں کو قبول کیا ہے اور دوسرے اہل علم نے بھی ان کو عالی اچھوت' نہیں سمجھا کہ ایک بات کو صرف اس لیے رد کر دیں کہ وہ کسی معتزلی نے کہی ہے۔[۱۰]

عقلیت اور تجدد کی اس ابتدائی تحریک کی نشو و نما میں کئی دیگر اہم عوامل کے علاوہ عجمی اقوام کی طرف سے ایرانی فلسفے اور علوم کے اثرات بھی بنیادی کردار ادا کرتے ہیں خاص طور پر علامہ اقبال نے عقلیت کی تحریک میں ایرانی اثرات کا تکرار سے تذکرہ کیا ہے۔

خلافت امیہ کے زمانے میں عمل اتحاد جاری تھا اور نئے حالات زندگی سے مطابقت پیدا کی جا رہی تھی لیکن خاندان عباسیہ کے عروج اور یونانی فلسفہ کے مطالعہ کے بعد سے ایران کی عقلی قوت جو اب تک محصور تھی پھر آزاد ہو کر فکر و عمل کے تمام شعبوں میں حیرت انگیز انقلاب پیدا کر دیا۔اس نئی عقلی قوت کی راہنمائی میں جو یونانی فلسفے کے مطالعے سے حاصل ہوئی تھی اسلامی توحید پر نظریں پڑنے لگیں۔ قبل اس کے کہ عقل خشک مناظروں کے ہنگاموں سے دور رہ کر کسی گوشہ عزلت کی تلاش کرتی علم الکلام مذہبی جوش سے متاثر ہو کر فلسفہ کی زبان بولنے لگا۔ آٹھویں صدی کے نصف اول میں واصل بن عطا جو مشہور متکلم حسن بصریؒ کا ایرانی شاگرد تھا اعتزال اور عقلیت کی بنیاد رکھتا ہے۔(۱۱)

چنانچہ تجدد کی یہ ابتدائی تحریک جو بظاہر اسلام کے دفاع کے لیے اٹھی اور عدل کے نعرے کو اختیار کیا اس حد تک عقلیت کی زد میں آگئی کہ عقائد اور شرعی احکامات کے لیے عقل کو ہی معیار قرار دے دیا۔ فلسفہ یونان کا عام طالب علم بھی اس تحریک کے بارے میں اندازہ لگا سکتا ہے کہ عقلیت کی یہ لہر یونانی علوم کے اثرات کا نتیجہ تھی حتی کہ دین اسلام کا اساسی نظریہ توحید ہی متزلزل کرنے کی کوشش ہونے لگی۔

معتزلہ کے خیال کے مطابق خود باری تعالیٰ نے مختلف افعال و اعمال اور مختلف اشیاء کے درمیان اچھے برے کی جو تمیز کی ہے اس میں بھی اس نے انسانی عقل کے پیش نظر ہی فیصلہ فرمایا ہے۔ اسی وجہ سے عقل خود علم شریعت کے بغیر حسن قبح کا فیصلہ کر سکتی ہے۔(۱۲)

چنانچہ اسی استدلال سے انسانوں کے گروہ اکثر دین کی تعلیمات عقائد اور احکامات کی من مانی تاویلات اور تشریحات کا راستہ نکال لیتے ہیں اردو دائرہ معارف اسلامیہ کامقابلہ نگار معتزلہ کے موقف پر درج ذیل تبصرہ کرتا ہے۔

معتزلہ کے موقف میں نمایاں کمزوری دراصل یہی ہے کہ انہوں نے عقل ناتمام سے جو ابھی درپئے تحقیق ہے ان اصولوں اور پیمانوں کو جانچنا چاہا ہے جو اپنی جگہ خود مکمل اور ابدی ہیں۔ اشکال کا یہ پہلو اس وقت تک باقی رہے گا جب تک عقل انسانی گھوم پھر کر انہی حقائق تک رسائی حاصل نہیں کر لیتی جن کو مذہب اور دین نے ہزاروں برس قبل بیان کردیا تھا۔ معتزلہ کے فکری مقام کو متعین کرتے وقت اس حقیقت کو بہرحال تسلیم کر لینا چاہئے کہ یہ اگرچہ اپنی صفوں میں جوینی اشعری اور غزالی جیسے بلند وبالا متکلمین پیدا کرنے سے قاصر رہے تاہم بحیثیت مجموعی ان کی وجہ سے فکر و دانش کو مہمیز ملی۔ مسلمانوں میں عقلی مباحث کا آغاز ہوا اور اس کے نتیجے میں اسلامی معاشرے میں کندی' فارابی ابن سینا اور ابن رشد ایسے عظیم فلسفی پیدا ہوئے۔(۱۳)

معتزلہ کی تحریک تجدد موجودہ عصری تحریکات کی طرح مذہب بے زاری' خواہش کی پیروی اور مادیت کے زیر اثر نہ تھی بلکہ معتزلہ اپنے موقف کے حق میں قرآن کی ان آیات سے استدلال کرتے تھے جن میں عقل کے استعمال پر زور دیا گیا تھا اور اس امر کو انسانی زندگی کی فضیلت قرار دیا گیا تھا چونکہ قرآن مجید میں تفکر' تدبر تعقل اور تذکر وغیرہ کی ترغیب موجود ہے حتیٰ کہ وحی کے بالاتر ہونے کے باوجود کوئی فرد عقل کے بغیر نہ تو وحی کو پہچان سکتا ہے اور نہ ہی وحی سے استفادہ ممکن ہے جیسا کہ قرآن خود دعوت دیتا ہے۔

افلا یتدبرون القرآن (۱۴)

بھلا یہ لوگ قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے

افلا یتدبرون القرآن ام علیٰ قلوب اقفالها (۱۵)

بھلا یہ لوگ قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے یا ان کے قلوب پر تالے لگے ہوئے ہیں۔

وتلک الامثال نضربها للناس لعلهم یتفکرون (۱۶)

اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے واسطے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور کریں۔

چنانچہ اس مضمون کی جتنی بھی آیات ہیں وہ عقل کے استعمال پر زور دیتی ہیں مگر معتزلہ نے جب عقل کے استعمال میں مبالغے سے کام لیا اور عقل کو وحی تک رسائی کا ذریعہ قرار دینے کی بجائے عقل کو ایسا معیار بنایا جس پر وحی بھی پرکھی جانے لگی تو دینیات کی ترتیب ہی الٹ گئی۔ اس پہلو کا مولانا امین احسن اصلاحیؒ درج ذیل الفاظ میں تجزیہ کرتے ہیں۔

معتزلہ کے مذہب میں ایک ایسا سقم ہے کہ اگر اس کو دور نہ کیا جائے تو وہ شرک کی راہ پر لے جاتا ہے مثلاً" وہ یہ کہتے ہیں کہ انسان خود مختار مطلق ہے۔ اگر خود مختار مطلق سے ان کی مراد یہ ہے کہ اس اختیار پر خدا کی مشیت کسی پہلو سے بھی اثر انداز نہیں ہوتی تو یہ کسی طرح بھی درست نہیں۔ اس سے سویت لازم آتی ہے کیونکہ مطلق ارادہ تو صرف اللہ تعالیٰ کا ہی ہو سکتا ہے کوئی دوسرا ارادہ ایسا نہیں ہو سکتا جو خدا کی مشیت کے تابع نہ ہو۔ اگر کوئی دوسرا ارادہ بھی مطلق مان لیا جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ یزداں اور اہرمن دو الگ الگ قوتیں ہیں اسی طرح دوئی لازم آتی ہے دوسرے الفاظ میں شرک لازم آتا ہے۔ (۱۷)

ہماری تاریخ کے ابتدائی عہد میں معتزلہ کی فکر محض فلسفے کا ایک مسئلہ نہ تھی بلکہ اس نے خاندان عباسیہ کے دور میں سرکاری پشت پناہی اور سرپرستی میں معاشرتی اقدار اور شرعی احکامات کے دائروں میں بھی انتشار پیدا کیا۔

انتہا پسند معتزلہ نے عقلیت پرستی کے جوش میں بعض بنیادی دینی تصورات کو اس حد تک

بدل کر رکھ دیا تھا کہ کچھ لوگ اس تحریک کو اسلام کے لیے ایک خطرہ سمجھنے لگے تھے عام لوگ مذہبی عقائد سے فرار اور آزاد خیالی کی جانب جھکاؤ محسوس کر رہے تھے۔ قلوب و اذہان پر مذہب کی گرفت کمزور ہو رہی تھی۔ تاویل کا فن حیلہ طرازیوں میں تبدیل ہو چکا تھا مامون اور اس کے جانشینوں نے رہی سہی کسر پوری کر دی۔[۱۸]

اسی تحریک نے علوم کی دنیا میں ایک نئے علم کا اضافہ کیا جو علم الکلام کہلایا مگر مجموعی طور پر نیا مضمون بھی منفی نتائج پیدا کرنے لگا جیساکہ علامہ شبلیؒ نے تجزیہ کیا ہے۔

علم الکلام کی تاریخ میں سب سے زیادہ عجیب و غریب چیز دولت عباسیہ کی آزادی اور آزاد پسندی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ یہی چیز ہے جس نے علم الکلام کو اس رتبہ پر پہنچا دیا ورنہ اگر ان بزرگوں کی ہدایت پر عمل کیا جاتا جو ہر موقع پر السوال بدعۃ سے کام لیتے تھے تو آج علم الکلام کا سرے سے وجود ہی نہ ہوتا۔ یہ اسی آزادی کا اثر تھا کہ ایک ہی صدی کے اندر اندر گوناگوں خیالات کا سیلاب آگیا جو لحظہ بہ لحظہ بڑھتا جاتا تھا اور جس کی بدولت بیسیوں نئے نئے فرقے قائم ہوتے جاتے تھے۔[۱۹]

دینی فلسفیوں کے اس گروہ کی امامت معتزلہ کر رہے تھے جو اپنے وقت کے "روشن خیال" عالم اور پرجوش متکلم تھے۔ انہوں نے ان علمی بحثوں کو کفر وایمان کا معیار بنا دیا اوراپنی ساری ذہانتوں کو ان مباحث پر لگا دیا۔ ان کے مقابلہ میں محدثین اور فقہا کا گروہ تھا جو ان مسائل میں سلف کے مسلک کا قائل تھا اور ان مو شگافیوں کو مضر اور ان تعبیرات کو غلط سمجھتا تھا ہارون الرشید کے دور خلافت تک معتزلہ کو عروج حاصل نہیں ہوا مامون کے زمانہ میں جو یونانی فلسفہ اور عقلیت سے مرعوب تھا اور مخصوص تربیت اور حالات کی وجہ سے اس کی دماغی ساخت معتزلہ سے ملتی جلتی تھی معتزلہ کو عروج حاصل ہوا۔[۲۰]

گردش زمانہ کے باعث آج کے مورخین اور تبصرہ نگار معتزلہ کا تذکرہ قدرے اعتدال سے کرتے ہیں مگر وہ لوگ جنھوں نے ان کی فکر یا اس کے اثرات و نتائج کا براہ راست مشاہدہ کیا یا کسی طرح ان کا واسطہ پڑا وہ اپنی رائے میں بڑی شدت سے کام لیتے ہیں۔

"اس پر تعجب کرو کہ اس ملعون فرقے سے شیطان کس طرح کھیل رہا ہے اور اللہ سے پناہ مانگو کہ وہ تمھیں تمہارے نفوس کے حوالے نہ کر دے مگر جس کا دین یہ ہو کہ اس کا پروردگار نہ اسے ہدایت کرنے پر قادر ہے نہ گمراہ کرنے پر تو وہ اس کا مستحق ہے کہ شیطان اس پر ایسا ہی قابو پالے۔ میری جان کی قسم یہ سوال تو خود معتزلہ ہی کے اس قاعدے پر لازم آتا ہے کہ جو ان کا گمراہ کرنے والا ہے۔ اور اسے لازم آتا ہے جو اس قاعدے کا پابند ہو یہ قاعدہ ان سب کو جہنم

میں گرانے والا ہے"۔(۲۱)

قرن اول کی اس تحریک تجدد نے فلسفے اور مذہبی افکار کے معاملے میں ہی ایک نئی روش کو جنم نہیں دیا بلکہ اس تحریک کو نو مسلم عجمی اقوام نے خاص طور پر پسندیدگی کی نظر سے دیکھا کیونکہ اس کی آڑ میں ان کو اپنے سابقہ افکار اور تہذیبی اثرات برقرار رکھنے اور مسلم معاشرے کا حصہ بنانے میں مدد ملتی تھی۔ چنانچہ یہی ہوا کہ حکومتی ایوانوں میں اثر و رسوخ رکھنے والے بعض عجمی امراء اور وزراء نے مذہب اعتزال کی پذیرائی کی لہٰذا رفتہ رفتہ یہ فکر فلسفیانہ موشگافیوں سے بڑھ کر دین اسلام میں تحریف کا باعث بن گئی مگر مسلم معاشرے نے اپنے عمومی دینی مزاج اور پختہ ایمان بالغیب کے باعث مجموعی طور پر وحی کی عظمت اور بالادستی پر حرف نہ آنے دیا اگرچہ محدثین اور علماء نے تجدد کی اس لہر کو روکنے کے لیے موثر اور مفید مزاحمتی کوششیں کیں مگر خود معتزلہ کی ہی صفوں میں ابوالحسن علی اشعری جو نامور صحابیؓ ابوموسیٰ اشعری کی اولاد میں سے تھے۔ اس کے خلاف صف آراء ہوئے۔ الاشعری چونکہ بہت بڑے معتزلی استاد الجبائی کے شاگرد تھے مگر اس مذہب کے حامی ہونے کے باوجود مختلف وجوہات کے باعث معتزلہ کے خلاف ہو گئے اور انہوں نے مذہب اشاعرہ کی بنیاد رکھی جس نے تجدد کی اس ابتدائی تحریک کے افکار کے مقابل اسلامی عقائد کا دفاع کیا ہے۔(۲۲)

سید ابوالحسن علی ندوی الاشعری کی خدمات کا ان الفاظ میں تذکرہ کرتے ہیں۔ "امام ابوالحسن علی اشعری نے معتزلہ اور محدثین کے درمیان ایک معتدل اور متوسط مسلک اختیار کیا۔ وہ نہ تو معتزلہ کی طرح عقل کی غیر محدود طاقت اور فرمانروائی کے قائل تھے کہ وہ الہیات کے بارے میں اور مابعد الطبیعات میں بھی بے تکلف اپنا عمل کر سکے اور اس کے جزئیات و تفصیلات اور ذات و صفات باری تعالیٰ کے بارے میں اپنا فیصلہ صادر کر سکے اور اس کو معیار قرار دیا جا سکے نہ وہ بعض پرجوش محدثین و حنابلہ کی طرح دین کی نصرت اور عقائد اسلامیہ کی حفاظت کے لیے عقل کا انحصار اور اس کی تحقیر ضروری سمجھتے تھے۔"(۲۳)

اشاعرہ کے علاوہ ایک اور گروہ بھی سامنے آیا جس نے اشعری کی طرح عقلیت پرستی اور تجدد کے آگے بند باندھا یہ لوگ ماتریدیہ کہلاتے تھے۔ اس مذہب کا بانی امام الماتریدی تھا۔ معتزلہ کے خلاف ان دنوں گروہوں کے افکار اور ان کی نوعیت میں کافی اشتراک اور مماثلت پائی جاتی تھی جیسا کہ ابوزھرہ نے ذکر کیا ہے۔

"اشعری اور ماتریدی چونکہ ایک ہی دشمن کے خلاف صف آراء تھے لہٰذا ان کے نظریات بھی بڑی حد تک متقارب تھے اگرچہ متحد نہ تھے۔ اکثر علماء کا خیال ہے کہ اشاعرہ و ماتریدیہ کے

نظریات میں کوئی اساسی اختلاف نہیں پایا جاتا ہے۔ (۲۴)

علامہ اقبالؒ معتزلہ کے مقابل اشاعرہ کے کام اور جدوجہد کا درج ذیل الفاظ میں تجزیہ کرتے ہیں۔

خاندان عباسیہ کے ابتدائی خلفاء کی سرپرستی میں عقلیت اسلامی دنیا کے عقلی مراکز میں پھولتی پھلتی رہی لیکن نویں صدی کے نصف اول میں اس کو ایک زبردست رد عمل سے دوچار ہونا پڑا جس کا پرجوش علمبردار الاشعری تاریخ ولادت ۸۷۳ء) تھا اس نے علماء عقلیت (معتزلہ) سے تعلیم پاکر خود ان ہی کے طریقوں سے ان کی اس عظیم الشان عمارت کو منہدم کرنے کی کوشش کی جو بڑی محنت سے تعمیر کی گئی تھی۔ یہ بصرہ کے مکتب اعتزال کے نمائندے الجبائی کا شاگرد تھا جس کے ساتھ اس نے کئی مناظرے کیے اور بالاخر ان مناظروں کی وجہ سے ان کے دوستانہ تعلقات منقطع ہو گئے اور شاگرد نے معتزلہ کے مسلک کو خیرباد کہہ دیا۔ (۲۵)

مختصر یہ کہ اسلام کے ابتدائی عہد میں عقلیت پرستی اور تجدد کی تحریک محض تاریخ کا ایک موضوع ہی نہیں بلکہ بعد کی صدیوں میں متجددین اور ان کے افکار کی اساس بھی ہے۔ وہ تمام افراد اور گروہ جن کے قلوب میں شک کے کانٹے تھے یا اسلام کو اپنی خواہشات اور ترجیحات کے ساتھ ہم آہنگ کرنا چاہتے تھے مذہب اعتزال اور اس کی سرپرستی کرنے والے حکمران ان کو دلیل فراہم کرتے رہے۔ بعض اوقات خواہش کی پیروی کو اسلامی ثابت کرنے کے لیے براہ راست قرآن و حدیث سے جب کوئی جواز نہیں ملتا تو معتزلہ جیسی تحریکیں کام آسان بناتی ہیں مگر قرآن نے اسوہ کامل رسول اللہؐ کو قرار دے کر ایمان و عقائد کی ٹھوس بنیاد فراہم کی ہے جو ہر دور کے انسان کی ضرورت ہے۔

حواشی

۱۔ مودودیؒ سید ابوالاعلیٰ 'تجدید و احیائے دین' مکتبہ جماعت اسلامی دارالسلام پٹھان کوٹ 'ص ۲۸

۲۔ ایضاً

۳۔ تقی عثمانی' محمد' عصر حاضر میں اسلام کیسے نافذ ہو' مکتبہ دارالعلوم' کراچی' ص ۴۴۲

۴۔ عبدالحمید صدیقی 'مذہب اور تجدید مذہب' البدر پبلی کیشنز لاہور ۱۹۷۸ء' ص ۱۷۲

۵۔ ندوی' سید سلیمان' مولانا' مقالات شبلی' نیشنل بک فاؤنڈیشن' ج ۵' ص ۱۲

۶۔ ڈاکٹر عبدالخالق و پروفیسر یوسف شیدائی' مسلم فلسفہ' عزیز پبلشرز اردو بازار لاہور' ۱۹۸۴' ص ۳۸

۷۔ ندوی' سید سلیمان' مولانا' مقالات شبلی' نیشنل بک فاؤنڈیشن ج ۵' ص ۱۴

۸۔ عبدالحمید صدیقی 'مذہب اور تجدید مذہب 'البدر پبلی کیشنز لاہور '۱۹۷۸ء 'ص ۱۸۳

۹۔ امیر علی 'سید 'روح اسلام مترجم محمد ہادی حسین 'ادارہ ثقافت اسلامیہ ۱۹۸۸ء 'ص ۶۰۳

۱۰۔ مودودی 'ابوالاعلیٰ 'رسائل و مسائل 'اسلامک پبلیکشنز لاہور ۱۹۹۰ ج ۴ 'ص ۲۰

۱۱۔ علامہ اقبال مترجم میر حسن الدین 'فلسفہ عجم 'نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۸۴ء ص ۵۵

۱۲۔ عبدالحمید صدیقی 'مذہب اور تجدید مذہب 'البدر پبلی کیشنز لاہور ۱۹۷۸ء 'ص ۱۸۱

۱۳۔ ندوی محمد حنیف و ادارہ 'معتزلہ 'اردو دائرہ معارف اسلامیہ دانش گاہ پنجاب '۱۹۸۷ء ج ۲۱ ص ۳۱۲

۱۴۔ قرآن حکیم '۴ '۸۴

۱۵۔ ایضاً" '۷ '۴ '۲۴

۱۶۔ ایضاً" '۵۹ "۲۱

۱۷۔ اصلاحی 'امین احسن 'فلسفے کے بنیادی مسائل قرآن کی روشنی میں 'فاران فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۹۱ء ص ۱۶۹ '۱۷۰

۱۸۔ ڈاکٹر عبدالخالق و پروفیسر یوسف شیدائی 'مسلم فلسفہ عزیز پبلشرز اردو بازار لاہور ۱۹۸۴ء ص ۵۴

۱۹۔ شبلی نعمانی 'علامہ 'علم الکلام اور الکلام 'نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۷۹ء حصہ اول 'ص ۱۱۹

۲۰۔ ندوی 'ابوالحسن علی 'تاریخ دعوت و عزیمت 'مجلس نشریات اسلام کراچی ج ۱ 'ص ۸۵

۲۱۔ ابن حزم 'ابو محمد علی بن احمد 'الاندلسی (مترجم مولانا عبد اللہ عمادی) الملل والنحل 'میر محمد کتب خانہ آرام باغ کراچی ج ۳ 'ص ۲۲۳

۲۲۔ ڈاکٹر عبدالخالق و پروفیسر یوسف شیدائی مسلم فسلفہ عزیز پبلشرز اردو بازار لاہور ۱۹۸۷ء ص ۵۴

۲۳۔ ندوی 'ابوالحسن علی 'تاریخ دعوت و عزیمت 'مجلس نشریات اسلام کراچی 'ج ۱ 'ص ۱۰۸

۲۴۔ ابو زھرہ 'محمد '(مترجم غلام احمد حریری) 'اسلامی مذاہب 'ملک برادرز کارخانہ بازار فیصل آباد ۱۹۷۹ء ص ۲۴۲

۲۵۔ علامہ اقبال (مترجم میر حسن الدین) 'فلسفہ عجم 'نفیس اکیڈمی کراچی '۱۹۸۴ء ص ۷۱۔